رشید احمد صدیقی کی تنقید اقبال

ڈاکٹر منور حسین

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

رشید احمد صدیقی کے نظام نقد میں جن شاعروں کو بطور خاص پایہ اعتبار حاصل ہے' ان میں غالب' حالی' اکبر اور اقبال خصوصی امتیاز کے حامل ہیں۔ اکبر اور اقبال خصوصی امتیاز کے حامل ہیں[1] - یہ عناصر اربعہ ان کے نزدیک اردو شاعری کے محافظ' پاسبان اور آبرو ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''میرا خیال ہے کہ غالب' حالی' اکبر اور اقبال نے اردو شعر و ادب کے حسب و نسب اور معیار و موقف کو پورے طور پر مستحکم نہ کر دیا ہوتا تو اس دور رسوائی و شکست و ریخت میں جب پچھلی تمام قدریں ٹھکرائی جا رہی ہیں' شعر و ادب سے ہر روز نئے تجربے اور تحریکیں اردو شاعری کو معلوم نہیں کس ناگفتنی تک پہنچا دیتیں''[2]۔

رشید احمد صدیقی کی تحریروں کے مطالعے سے اس امر کا اندازہ با آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ جدید شعراء میں اقبال نے انہیں سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ جدید اردو شاعری کا جہاں بھی ذکر آئے گا' خواہ وہ فنی نزاکت کا مسئلہ ہو یا فکری اور موضوعی عظمت کا معاملہ' ہر جگہ کسی نہ کسی عنوان سے اقبال انہیں ضرور یاد آتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

> "غالب اور اقبال' دونوں مشیت کی اصلاح کے در پے تھے یا اس سے بغاوت کرتے تھے۔"[3]

واضح رہے کہ رشید صاحب کے نزدیک شاعری کی عظمت کا ایک پیمانہ خدا سے گستاخی اور عورت سے احتیاط بھی ہے۔

> "اقبال اور حالی کے کلام کا سنجیدگی اور احترام سے مطالعہ کئے بغیر ملت اور ملت کے بخشے ہوئے فضائل کا ادراک و احساس آسان نہیں ہے۔ یہ فیضان ہے عشق رسولؐ کا جس نے ان شعراء کے کلام کو گراں مایہ اور لازوال بنا دیا ہے"[4]۔

> "اکبر اور اقبال نے اپنی اپنی شاعری میں جن خاص الفاظ کو جن معنوں میں استعمال کر دیا ہے' کوئی دوسرا ان کو اس طرح استعمال نہیں کر سکا' اور کوئی ایسا کرتا بھی ہے تو صاف ظاہر ہونے لگتا ہے کہ وہ نقال اور بے بضاعت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دونوں کی شاعری اور شخصیت کی جڑیں ان مصلحات کی

آب و گل میں پیوست ہیں"[5]۔

"ہر بڑی تہذیب کے کھنڈر پر کوئی نہ کوئی حالی یا اقبال ضرور نمودار ہوتا ہے۔ اگر نہ ہو تو اس تہذیب پر فاتحہ پڑھ لینے کے سوا چارہ نہیں"[6]۔

رشید صاحب اپنی اکثر تحریروں میں ایک سے زائد ادیبوں میں مماثلتیں بھی تلاش کرتے ہیں اور ان کے امتیازات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ انہوں نے اپنے متعدد مضامین میں اقبال کا موازنہ بھی دوسرے شعراء سے کیا ہے۔ مثال کے طور پر "اکبر پر ایک نظر" میں فرماتے ہیں:

"اکبر جو بات ہریجن الفاظ' ہریجن انداز اور ہریجن ماحول میں آج سے پہلے کہہ گئے' اقبال نے وہی باتیں حکیمانہ انداز' شاعرانہ حسن اور شاہانہ جلال سے پچیس تیس سال بعد کہیں"[7]۔

الفاظ' انداز اور ماحول کے لئے لفظ "ہریجن" کے استعمال و انتخاب سے قطع نظر فکر و موضوع کی مماثلت کو ذہن میں رکھئے اور یہ دیکھئے کہ اسی مضمون میں دونوں شاعروں کے مقصد و منہاج میں اختلاف کو کس طرح واضح کرتے ہیں:

"غالب اور اقبال' دونوں مشیت کی اصلاح کے درپے تھے یا اس سے بغاوت کرتے تھے۔ اکبر ہماری آپ کی اصلاح کے درپے تھے اور سوسائٹی سے برسرپیکار تھے"[8]

کوئی بھی صاحب نظر سرسری مطالعے میں اسے نکتے کی بات تو تصور کر سکتا ہے مگر درحقیقت مذکورہ بالا بیان اور اقبال سے متعلق دیگر بیانات میں جو تضاد ہے' اس کا ذکر محتاج تفصیل نہیں ہے' البتہ موضوع کا تقاضا اور موقع و محل کی رعایت کا مقتضایہ ہے کہ اسے ایک وقتی جذبہ ہمدردی کے تحت دیئے گئے فیصلے سے زیادہ اور کچھ نہ سمجھا جائے۔

غزل گوئی اور کسی اعلیٰ و برتر نصب العین کی تبلیغ دو متضاد عمل معلوم ہوتے ہیں۔ رشید صاحب نے اقبال کی عظمت اس میں تلاش کی ہے کہ وہ کس طرح ان دو متضاد رویوں کو باہم دگر مربوط کر دیتے ہیں جس سے گویا ایک طرف اس مقصد کو ایک حسین طرز اظہار میسر آ جائے اور دوسری طرف شاعری کی ایک صنف اپنی مریضانہ ذہنیت کے حصار سے باہر آ جائے۔ لکھتے ہیں:

"اقبال نے اپنی غزلوں میں ہم کو یہ محسوس کرایا کہ عشق و محبت دل ہی کا ماجرا نہیں بلکہ ذہن کا بھی ہے۔ نئی غزل گوئی کا یہی سنگ بنیاد ہے۔ غالب کے یہاں بھی دل و ذہن کا یہ ماجرا ملتا ہے' لیکن انہیں یہ سہولت حاصل تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو کسی مخصوص مقصد یا نقطہ نظر کا پابند نہیں رکھا تھا۔ وہ جو چاہتے تھے' کہہ سکتے تھے۔ اقبال اپنے سامنے ایک مقصد رکھتے تھے جس سے وہ ہم کو آشنا کرانا چاہتے تھے۔ یہ مقصد تھا اسلامی عقائد کی برتری اور اسلامی اعمال کی برگزیدگی کا۔ اپنی شاعری میں اقبال نے انہی دو پر سب سے زیادہ زور دیا ہے"[9]۔

اپنے ایک خطبے میں وہ اقبال کا غالب سے یوں موازنہ کرتے ہیں:

"جہاں تک مسائل علمیہ و فکریہ کو شعر میں ڈھال کر دلنشیں اور فکر انگیز بنانے کا تعلق ہے، غالب کی زبان سے اقبال کی زبان زیادہ متوازن اور شگفتہ ہے" [10]

رشید صاحب نے کسی شاعر سے موازنے میں جہاں اقبال کے امتیازات کا ذکر کیا ہے، وہیں مجموعی حیثیت سے تمام شعراء کے مقابلے میں ان کی انفرادیت، خصوصیت اور عظمت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کا سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ رشید صاحب اردو شاعری کی پوری تاریخ میں اقبال کو سب سے زیادہ صاحب علم و دانش انسان سمجھتے ہیں۔ اور علم کی فضیلت تو ہر میدان میں تسلیم شدہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اقبال سے پہلے کوئی شاعر ایسا نہیں گزرا جس نے قوموں کی تقدیر اور انسانیت کے تقاضوں کا اتنا گہرا مطالعہ کیا ہو جتنا اقبال نے۔ وہ ہمارے تمام شعراء سے زیادہ لکھے پڑھے شاعر تھے۔ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ علوم و فنون ہی کا نہیں، یزداں، انسان اور شیطان سبھی کا۔ ان کی نظر میں وہ تمام تیکھے اور تحریکیں تھیں جن سے زندگی دوچار تھی، اور انسانیت معرض خطر میں۔ ایسے وقت میں یا تو پیغمبر پیدا ہوتے ہیں یا شاعر" [11]

اس اقتباس کا ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ رشید صاحب پیغمبر کی طرح گویا شاعر کی بعثت کے بھی قائل ہیں۔ جس طرح پیغمبری میں قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا، اسی طرح شاعری بھی کسب و اکتساب سے الگ ماورائی اور الہامی ملکہ ہے، بالخصوص عظیم شاعری جس کی مذہبی یا ماورائی بنیاد کی طرف رشید صاحب یوں اشارہ کرتے ہیں:

"مذہب کا حقیقی تصور حیات و کائنات کا بڑا تصور ہے، اور ہر بڑی شاعری کا سوتا کسی نہ کسی عظیم تصور حیات کائنات سے پھوٹتا ہے۔ یہ عظیم تصور اسلامی بھی ہو سکتا ہے، عیسوی بھی اور ہندو بھی _____ بڑی شاعری کا ماخذ بیشتر مذہبی یا ماورائی رہا ہے" [12]

اپنے اسی مضمون میں وہ شاعری کے سلسلہ بعثت کا اظہار بھی مختلف پیراہوں میں کرتے ہیں:

"مجھے اکثر یہ محسوس ہوا ہے کہ بیسویں صدی میں شاعری نے مشرق کی پیغمبری اقبال اور ٹیگور کو تفویض کی، اور مشرق کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اس کا حق اس خلوص اور خوبصورتی سے ادا کیا ہو جتنا ان دونوں نے میرا خیال ہے کہ جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے، کم سے کم اس صدی کے بقیہ نصف میں شاید اقبال سے بڑا شاعر پیدا نہ ہو گا" [13]

اقبال کے فنی ریاض کے حوالے سے رشید صاحب اپنے اسی خیال کا اعادہ ان لفظوں میں

بھی کرتے ہیں:

"اقبال کی شاعری اور ان کے افکار کے سمت و رفتار کے مطالعے سے ان اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال نے فن کے رموز' زبان کی اہمیت اور شاعری میں فکر جذبے اور تخیل کے مقامات پہچاننے میں کتنا ریاض کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شاعری نے اقبال کو اقبال بنانے میں اپنی ساری آزمائشیں ختم کر دی ہوں' اور اس کے بعد ان پر اپنی ساری نعمتیں بھی تمام کر دی ہوں جیسے اردو شاعری کا دین اقبال پر مکمل ہو گیا ہو"[14]

اردو زبان کی شاعری سے الگ' پوری دنیا کی شاعری میں مسلمانوں کا جو حصہ ہے' ان سب کے مقابلے میں اقبال کے وجوہ امتیاز کا ذکر ایک خطبے میں یوں ملتا ہے:

"شاعر' مفکر اور رہبر کی حیثیت سے اقبال کو ہمارے ادب زندگی میں جو درجہ حاصل ہے' وہ آج تک کسی مسلمان شاعر' مفکر یا ادیب کو حاصل نہیں ہوا"[15]

رشید صاحب کی تنقید ادب کا ایک نمایاں رخ یہ ہے کہ وہ فن کار یا تخلیق کی علمی' تہذیبی یا سماجی حیثیت و افادیت پر بطور خاص نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دیگر ادیبوں اور شاعروں کی طرح اقبال پر لکھتے وقت بھی انہوں نے جابجا اس کی صراحت کی ہے کہ اس کی شاعری سے علم و ادب اور تہذیب و سماج کو کس طرح فائدہ پہنچا ہے یا ان میں کیا قابل لحاظ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اسلوب احمد انصاری کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اقبال نے جن مسائل پر جو بات جس بلاغت اور خوبصورتی سے کہہ دی ہے' غالباً سعدی کے بعد اب تک کسی نے نہیں کی۔ مسائل حاضرہ یا وقتی مسائل پر چند ایک شعر اس طور پر کہہ دیا ہے کہ وہ شعر زندگی کے حقائق کا ترجمان بن گیا ہے"[16]

اقبال کی شاعری میں فکر و فلسفہ کی جو کارفرمائی ہے' اس کے امتیازی پہلو پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"تنوع یا تضاد شاعری کا حسن یا مزاج ہے اور فلسفے کا نقص یا نارسائی۔ اقبال نے فلسفے کو شاعری کا منافی نہیں جتایا ہے' بلکہ ان کو ایک دوسرے کو محرمی و مشاطگی پر مامور کیا ہے۔ فلسفے کی اہمیت سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے' لیکن بحیثیت مجموعی' اور آخر کار' فلسفے کو گوارا اور فعال شاعر اور اس کی شاعری ہی بناتی ہے"[17]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"جس طرح مسائل کی توضیح میں تدبر کی ضرورت ہوتی ہے' اور یہی تدبر حکیم یا فلسفی کی بڑائی اور کامیابی کی دلیل ہے' اس طور پر جذبات کا احتساب کرتا اور

اس کو مناسب و موزوں اسالیب میں ڈھالنا شاعر کی بڑائی کی دلیل ہے۔ اقبال کی شاعری' شاعری کی معراج ہے۔ انہوں نے جذبات کو فکر کا درجہ دیا ہے اور فکر کو جذبات کا آب و رنگ بخشا۔ دونوں صورتوں میں اقبال کا آرٹ اور اعتقاد دوش بدوش کار فرما ملتے ہیں۔ اقبال نے ملکات فطری کو بشری ریاضتوں اور ماورائی بصیرتوں سے ایک نئی' حسین اور لازوال صورت بخشی"[18]۔

کلام اقبال کے فنی پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس کی خوبیوں کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"اقبال کا کلام حشو و زائد سے یکسر پاک ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا ذوق کتنا انتخابی اور ذہن کتنا اختراعی تھا _____ ہیئت' موضوع اور مواد اور حسن زبان و بیان کے اعتبار سے انکا کلام نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسا نمونہ جس تک پہنچنا ناممکن نہیں تو نہایت درجہ دشوار ہونے میں شک نہیں" [19]

رشید صاحب کی تحریروں میں مختلف اصناف سخن کے حوالے سے بھی اقبال کے اجتہادات و امتیازات کا ذکر ملتا ہے جن کی بنا پر وہ اصناف نئی جہتوں سے روشناس ہوئیں اور ان میں انقلاب آفریں اور پر تاثیر تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ نعت اور مرثیے کی روایات ہمارے ادب میں خاصی قدیم ہیں اور ان کے متضمنات سے بھی ہم آگاہ ہیں۔ رشید صاحب کی یہ عبارت دیکھئے:

"عشق رسولؐ کا تصور ہمارے ذہنوں میں میلاد ناموں اور میلاد خانوں کا دیا ہوا تھا۔ حالی اور اقبال نے اسکو وہاں سے نکال کر مذہب و ملت کے اعلی اقدار و روایات کو سمجھنے' اس پر عمل کرنے اور اسکی حفاظت کرنے کا حوصلہ دیا"[20]۔

مرثیے سے متعلق رقم طراز ہیں:

"نعت شہ کونینؐ کی طرح شہادت سید الشہداءؓ اور سانحہ کربلا کو اقبال نے جو نئی جہت' وسعت اور رفعت دی ہے' وہ بھی اردو شاعری میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ مرثیہ خوانی اور مرثیہ نگاری کو جو اہمیت ہمارے ادب و زندگی میں ہے' اس کو اقبال نے ایک نئے تصور اور تجربے سے آشنا کیا۔ اس طور پر اردو شاعری اور ادب میں مقام شبیری کی ایک نئی معنویت' دعوت یا علامت ظہور میں آئی اور مقبول ہوئی"[21]۔

غزل گوئی کی مروجہ روایت' اسلوب اور زبان کے پس منظر میں یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اقبال کی غزل کی زبان اردو کے دوسرے غزل گویوں کی زبان سے مختلف بھی ہے اور مشکل بھی۔ اقبال کو غزل کے لئے نئے انداز کی ایک زبان وضع کرنی پڑی۔ ایسی زبان اور ایسا لہجہ جس سے غزل ناآشنا تھی۔ اس زبان کو غزل سے منوالینا بہت بڑا کارنامہ ہے"[22]۔

غزل میں اقبال کے تصرفات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے امتیازی تجربے کا ذکر ان الفاظ میں

ملتا ہے:

"اقبال نے اپنی غزلوں میں عام غزل گو شعراء کی طرح نہ زبان رکھی نہ موضوع نہ لہجہ' بلکہ ایسی زبان' موضوع اور لہجہ اختیار کیا جن کا غزل سے ایسا کوئی رشتہ نہ تھا۔ اس کے باوجود ان کی غزلوں میں تنوع' تاثیر' شیرینی' شائستگی' نزاکت و نغمگی کے علاوہ' جو اچھی غزل کے لوازم ہیں' وہ فرد فرزانگی اور قاہری و دلبری ملتی ہے جو بعض مناظر فطرت اور صحف سماوی میں ملتی ہے۔ اقبال کی غزلوں کے سامنے ہم بے ادب یا بے تکلف ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے"[23]

انسانی سماج اور اس کے مختلف طبقات پر کلام اقبال کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں' ان کا بھی ایک اجمالی خاکہ رشید صاحب کی تحریروں سے مرتب ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے ایک خطبے میں اقبال کو اپنی صدی کا ذہنی قائد قرار دیتے ہیں:

"آج کل سیاسی قیادت بہت آسان ہے۔ ذہنی قیادت بہت مشکل ہے۔ ذہنی قیادت ہر صدی میں صرف چند ایک کے حصے میں آئی ہے۔ یہ سعادت و برگزیدگی اس صدی میں اقبال کو نصیب ہوئی"[24]۔

اقبال کی شاعری رشید احمد صدیقی کے نزدیک موجودہ صدی کا علم کلام ہے۔ نقوش اقبال کے مقدمے میں اس پہلو پر ایک سے زائد جگہ مختلف انداز سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اقبال کا کلام ہمارے لئے اس صدی کا علم کلام ہے جو ایک نامعلوم اور طویل مدت تک تازہ کار رہے گا' اس لئے کہ وہ ایک عظیم شاعری میں ڈھل چکا ہے۔ اسلامی عقائد' شعائر اور روایات کی جس عالمانہ' عارفانہ اور شاعرانہ انداز سے اپنے بے مثل کلام میں اقبال نے وکالت کی ہے' اس سے مسلم معاشرہ حیرت انگیز طور پر متاثر ہوا ہے۔ ایسی صحت مند اور بامقصد بیداری کا امتیاز شاید ہی کسی اور عہد کے علم کلام کے حصے میں آیا ہو"[25]۔

اقبال کے تصور خودی و بے خودی پر مختلف شارحین اقبال نے متعدد جہتوں سے روشنی ڈالی ہے۔ ترجیح خودی کے اسباب بھی بتائے گئے ہیں اور خودی و بے خودی کے مابین تطبیق کی کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ اس نکتے کی ایک سے زیادہ قابل قبول توجیہیں بھی ہو سکتی ہیں۔ رشید صاحب کی درج ذیل تحریر بغیر کسی حوالے کے ان افکار کی کیسی جامع اور دلنشیں توجیہہ پیش کرتی ہے:

"جب تک فرد و جماعت بڑے مقصد کے لئے فکر و عمل' دونوں طرح سے مربوط و متحد نہ ہوں گے' سوسائٹی مستحکم' صالح اور صحت مند نہیں رہ سکتی۔ شائستگی' دانشوری اور آرزو مندی جس پر سوسائٹی کے قیام و ترقی کا مدار ہے'

شروع فرد سے ہوتی ہے، ختم جماعت پر ہوتی ہے۔ دونوں کی تربیت ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے کے لئے نہیں بلکہ ان کو ہم خیال، ہم مقصد اور ہم آہنگ رکھنے کے لئے ہوتی ہے۔ فرد کی ہدایت اور قیادت کے بغیر جماعت بڑی قابل رحم ہوتی ہے، اتنی ہی خطرناک بھی۔ فرد کی تربیت اس لئے کی جاتی ہے، اور اس کا فرض ہے کہ وہ جماعت کو صراط مستقیم پر چلائے اور رکھے نہ یہ کہ اپنی غرض اور ہوس کا آلہ کار بنائے۔ اقبال کا بتایا ہوا فرد اور جماعت کا رشتہ ایسا ہے جس سے دونوں ایک دوسرے کے باہر نہ ہو سکیں اور ایک دوسرے کا جبر قبول نہ کر سکیں"[26]۔

شاعری کو ریاضیاتی یا سائنسی منطق سے جانچنا درست ہے نہ مناسب۔ اس طریقے سے اس کی صحیح تفہیم ممکن ہے نہ اس کی موزوں تحسین۔ اقبال کے عہد سے لے کر آج تک، ہر دور میں، اقبال کی شاعری پر اسی غلط انداز نظر سے تنقید بھی ہوتی رہی ہے۔ کوئی کہتا کہ اقبال کی شاعری فکری تضادات سے پر ہے تو کسی کے نزدیک وہ فرقہ پرست شاعر ہے، وہ سمندر تھے کوشش کر کے دریا میں تبدیل ہو گئے، قومی شاعری سے ملی شاعری کی طرف مراجعت ان کی تنگ نظری کی دلیل ہے۔ ایک طبقہ یہ خیال کرتا ہے کہ ان کی شاعری حیات اجتماعی کے لئے مضرت رساں اور خطرناک ہے، اسی لیے کہ وہ شاہینی مسلک کے علم بردار ہیں اور سفاکی و خوں ریزی کی تعلیم دیتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی نے اس قسم کے تمام اعتراضات کا بہت ہی محکم اور دلنشیں جواب دیا ہے۔ اسی ذیل میں وہ شاعر کے منصب اور وظیفہ شاعری سے بھی بحث کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ظاہربیں نظروں کو اقبال کے ہاں تضاد ملتا ہے۔ لیکن اقبال مسائل حیات کا حل خانوں میں نہیں تلاش کرتے تھے، ایک عالم گیر عقیدہ رحمت میں سوچتے تھے"[27]

رشید صاحب کے نزدیک عظیم شاعری کی پہچان یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی عظیم حقیقت اور کسی نہ کسی عظیم شخصیت سے مربوط ہوتی ہے، اور وہ حقیقت یا شخصیت جتنی عظیم ہو گی، اسی اعتبار سے شاعری رفعت اور بلندی حاصل کرے گی۔ اقبال کی شاعری کے ماورائی اور لافانی ہونے کا راز ہی یہ ہے کہ اس کا رشتہ خدا تعالیٰ جیسی عظیم ترین حقیقت، حضرت محمدؐ جیسی عظیم شخصیت سے ہے۔ ان کے خیال میں بڑی شاعری کی سرحدیں فرقہ پرستی سے نہیں، انسانیت سے ملی ہوتی ہیں۔ اقبال پر فرقہ پرستی کا اتہام رکھنے والوں کی یہ تنگ نظری ہے کہ وہ کسی شاعری کو جو ماورائی و آفاقی ہے، کسی مخصوص خطے یا قوم کے لئے محدود کر دینا چاہتے ہیں جس طرح انسانیت ایک عالم گیر حقیقت ہے، وہ کسی طبقے یا خطے میں محصور نہیں، اسی طرح وہی شاعری عظیم ہو سکتی ہے جو چین و عرب، دلی و صفاہان، سمرقند و بخارا، مصر و حجاز، فارس و شام اور کوفہ و بغداد کی حدود میں مقید نہ ہو۔

سما سکانہ دو عالم میں مرد آفاقی

رشید صاحب فرماتے ہیں:

"کسی شاعر یا شاعری میں منطق' فلسفے' ریاضی اور سائنس کا ربط ڈھونڈنا اور نہ پانا تعجب کی بات نہیں۔ شاعری علم نہیں ہے بلکہ شاعر کے فکر' تخیل' تاثر یا تجربے کا انفرادی جمالیاتی اظہار ہے جو مختلف حالات میں مختلف ہو سکتا ہے۔ ان میں منطقی ربط نہ ہونا عیب نہیں' قرین فطرت ہے۔"[28]

اقبال کے یہاں عقیدہ و فلسفہ میں جو ربط ہے' اس پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

"اقبال نے اپنے عقیدہ کی بنیاد فلسفے پر نہیں رکھی بلکہ اپنے عقیدے کو فلسفے کا جامہ پہنایا۔ اگر یہ جامہ عقیدے کے جسم پر جہاں تہاں چست نظر نہیں آتا تو اس سے اقبال کے عقیدے پر حرف نہیں آتا۔ عقیدہ یوں بھی فلسفے کا دست نگر نہیں ہوتا"[29]۔

نقوش اقبال کے مقدمے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اقبال پر ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ عقابی یا شاہینی مسلک کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ خوں ریزی و سفاکی کے مبلغ ہیں۔ خوں ریزی و سفاکی کا مبلغ وہ شخص کیسے ہو سکتا ہے جو رحمتہ للعالمین کے صف اول کے عاشقوں میں ہو۔

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

زندگی اور زمانہ جیسا کچھ ہے' اس میں عزت' عاقبت اور فراغت کے ساتھ زندہ رہنے اور کار آمد رہنے کا اس سے زیادہ معتبر اور کیا فارمولا ہو سکتا ہے۔ تواضع بغیر طاقت خوئے گدا گری ہے۔ طاقتور ہونا فرائض میں سے ہے' اس کا بے جا استعمال بزدلی یعنی شقاوت ہے۔ اسی طرح کلیمی بغیر عصا کے فعل عبث ہے"[30]

ایک دوسرے مقام پر اقبال کی آفاقیت کا دفاع رسول اکرم سے ان کی نسبت خاص کے حوالے سے ہی کرتے ہیں:

"اقبال کو میں مسلمان شاعر انہی معنوں میں مانتا ہوں جن معنوں میں اسلام کو سارے جہان کا مذہب سمجھتا ہوں۔ اگر رحمتہ للعالمین سارے جہان کے لیے باعث رحمت ہیں تو ان کا نام لیوا خواہ شاعر ہو یا لیڈر سارے جہان کے لیے شاعر اور لیڈر ہو گا"[31]

اقبال پر اس انداز تنقید کے جو متعدد وجوہ و اسباب ہو سکتے ہیں'[32] ان میں سے ایک یہ ہے کہ اقبال اور رشید صاحب' دونوں کے فلسفہ حیات میں بڑی حد تک یکسانیت و مماثلت ہے۔ جن تہذیبی اقدار و روایات پر اقبال کا ایمان و اذعان ہے' رشید صاحب بھی ان کے موید و معترف ہیں۔ مناسب ہو گا کہ ان کی فکری مماثلتوں کے بعض نمونے بھی دیکھ لیے جائیں۔

اقبال نے مارکسزم کے بعض مفید پہلوؤں کی تحسین کے ساتھ اس کی نارسائیوں اور تضادات پر بھی تنقید کی ہے۔ ان کا مشہور شعر۔

تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خمدار کی نمائش حریز و کجدار کی نمائش!

انہی تضادات سے عبارت ہے۔ انسانی زندگی کی متوازن ترقی صرف اسی وقت ممکن ہے جب اس کے ہمہ جہت ارتقاء کا سامان فراہم کیا جائے۔ زندگی کا کوئی پہلو اس طرح مرکز توجہ بن جائے جس سے دوسرے جائز تقاضے بھی دب کر رہ جائیں تو ایسی زندگی ناہموار اور غیر متوازن ہو گی اور اس سے بے شمار مفسدات جنم لیں گے۔

رشید صاحب لکھتے ہیں:

"جب سے اشتراکی طریق فکر و عمل کا آغاز ہوا' فرد' سماج' ادارے' مذہب و حکومت' شعر و ادب' فنون لطیفہ' اقدار عالیہ میں ایسا عالم گیر ہیجان' فساد و فتور آیا کہ اب تک کوئی دوسری طاقت اس کو صحت و اعتدال پر لانے میں کامیاب نہیں ہوئی"[33]

عصر حاضر حریت نسواں اور مساوات مرد و زن کے نعروں کے لئے بھی جانا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقبال اور رشید احمد صدیقی' دونوں ہی اپنے مخصوص تہذیبی تناظر میں اس طرح کی آوازوں کے منطقی نتائج سے باخبر تھے اور انسانی سماج کے ان ناگزیر عناصر کے مخصوص صنفی تقاضوں اور حدود کار کے احترام کو سماجی فلاح و بہبود کے لئے لازمی اور قطعی گردانتے تھے۔ اقبال نے اپنے اشعار میں متعدد پیرایوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا یہ شعر۔

نہ پردہ نہ تعلیم' نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد

ان کے اسی نقطہ نظر کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ اب اسی مسئلے میں رشید احمد صدیقی کی یہ تحریر دیکھئے:

"عورت اور مرد کے مساوی حقوق یا عورت کی آزادی کا کچھ دنوں سے عالم گیر چرچا ہے۔ اس تحریک یا تفریح کے صحیح یا غلط ہونے سے قطع نظر اس دشواری کو نظر میں رکھنا پڑے گا کہ جب تک عورت کی جنس اور فطری وظائف یا معذوریوں کو دور یا دفع نہ کیا جائے گا' وہ مرد کی محافظت سے مستغنی نہیں ہو سکتی"[34]

رشید صاحب کو اقبال سے جو عقیدت تھی' وہ ان کی تحریروں سے جابجا مترشح ہوتی ہے۔ اسکی انتہا یہ ہے کہ وہ اقبال کے ایک شیدائی کو لکھتے ہیں کہ آپ کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ اقبال کی بعض نظمیں وقتی قدر و قیمت رکھتی ہیں یا یہ کہ اسرار و رموز کو آپ نے کم اہمیت دی ہے[35]۔ اس صدی کے سب سے عظیم شاعر کے اعتراف کے باوجود وہ ان کے تمام افکار کو من و عن

قبول کرنے پر آمادہ بھی نظر نہیں آتے۔ مغربی نشاۃ ثانیہ کے جلو میں جو افکار بہت عام ہوئے' ان میں سے ایک دین و سیاست کی علیحدگی کا نظریہ بھی تھا۔ اقبال نے اپنی شاعری میں اس تصور پر زبردست تنقید کی ہے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ایسا خیال گزرتا ہے کہ رشید صاحب' اقبال کی اس فکر سے کلیتہ متفق نہیں تھے۔ فرماتے ہیں:

"سوچتا ہوں کہ دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے جدا رکھنے پر جس چنگیزی سے سابقہ ہو گا' وہ قابل قبول ہے یا دین کو سیاست سے جوڑنے میں جس چنگیزی سے سابقہ ہو گا' وہ قابل ترجیح ہے"[36]۔

غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ رشید صاحب اصولی طور پر اس فکر کے مخالف تھے کہ دین و سیاست دو جداگانہ حقیقتیں ہیں اور ان کی علیحدگی ناگزیر ہے' تاہم ان کے سامنے دین و سیاست کے امتزاج پر مبنی تاریخ چنگیزی بھی تھی جس سے یورپ نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں باہر نکل آیا تھا۔ رشید صاحب کی خواہش یہ معلوم ہوتی ہے کہ دین کے پردے میں چنگیزی کا وہ عمل اب مزید نہ دہرایا جائے جسے مسیحیت نے اپنے دور ظلمت میں بطور خاص روا رکھا تھا' اور نشاۃ ثانیہ کے سورج کے طلوع ہونے تک جس کا سلسلہ دراز رہا۔ اس چنگیزی سے سیاست کی بدنامی اتنی قابل تشویش نہیں ہے جتنی دین کی بدنامی و رسوائی۔ آج کا افغانستان اس کی عبرتناک مثال ہے۔

✣ ✣ ✣

حواشی

1- اس فہرست میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھیے: "حسرت، اقبال، اصغر، فانی، جگر اور فراق اس پچاس سال کو اردو غزل گوئی کا عہد زریں سمجھتا ہوں۔" (جدید غزل۔ علی گڑھ 1955ء، ص 14)
2- ابوالحسن علی ندوی، "نقوش اقبال" مترجم شمس تبریز خاں۔ لکھنؤ، طبع دوم 1972ء، (مقدمہ)
3- "اکبر پر ایک نظر" مشمولہ "علی گڑھ میگزین" اکبر نمبر 1950ء
4- ابوالحسن علی ندوی، "نقوش اقبال"
5- "اکبر پر ایک نظر"، حوالہ بالا
6- "جدید غزل" ص 15
7- "اکبر پر ایک نظر"
8- ایضاً
9- "جدید غزل"، صفحات نمبر 35,34
10- خطبہ صدارت یوم اقبال 1945ء، (رامپور) مشمولہ "خطبات رشید احمد صدیقی" مرتبہ مہرالٰہی ندیم و لطیف الزمان خاں، کراچی 1991ء
11- "جدید غزل" صفحہ 37
12- ایضاً، صفحہ 37,36
13- ایضاً، صفحہ 39
14- ایضاً، صفحہ 38,37
15- خطبہ صدارت یوم اقبال، حوالہ بالا
16- اصغر عباس، ڈاکٹر "رشید احمد صدیقی ـــــ آثار و اقدار"، شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، 1984ء، صفحہ 189
17- "نقوش اقبال" (مقدمہ) حوالہ بالا
18- رشید احمد صدیقی، "گنجہائے گرانمایہ"
19- "نقوش اقبال"، حوالہ بالا
20، 21- ایضاً، صفحہ 21
22- ایضاً صفحہ 38
23- "جدید غزل" 34
24- خطبہ صدارت یوم اقبال حوالہ بالا

25- "نقوش اقبال"، حوالہ بالا
26- ایضاً"
27- "جدید غزل" صفحہ 37
28- ایضاً"
29- ایضاً" صفحہ 35
30- "نقوش اقبال"، حوالہ بالا
31- خطبہ صدارت یوم اقبال' حوالہ بالا
32- یہ معلوم ہے کہ اقبال' رشید صاحب کی ادبی صلاحیت کے بہت معترف تھے جیسا کہ رشید صاحب کی ریڈر شپ کے عمل میں اقبال کے سفارشی کلمات سے واضح ہے۔ ممکن ہے اس علم و اطلاع کے بعد اقبال سے رشید صاحب کی محبت و عقیدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہو۔
33- مضمون "عزیزان علی گڑھ"، مشمولہ "فکر و نظر" علی گڑھ 1972ء' صفحہ 165
34- ایضاً"' صفحہ 150
35- رشید احمد صدیقی' "آثار و اقدار" صفحہ 189
36- رشید احمد صدیقی' "آشفتہ بیانی میری" مکتبہ جامعہ نئی دہلی 1977ء' صفحہ 84,83

✣ ✣ ✣

Iqbal Cyber Library www.iqbal.com.pk All rights reserved. ©2002-2006